اور وُہ گذر نہ سکا اور اُس کے ساتھ لگ گیا ۔۔۔ برف کی دیوار نے اُسے روک لیا تھا ۔ وُہ اتنی جُھک چکی تھی کہ اُس کا راستہ رُک چکا تھا ۔۔۔ اُس کے ساتھ بے انت بُوٹے اپنے سر پٹخ رہے تھے پر وُہ آگے نہ جا سکتے تھے ۔۔۔

اور مینہ کے پانی بھی آگے نہ جا سکتے تھے ۔۔۔

پر اُسے تو جانا تھا ۔ یہ پہلی بار تھی کہ وُہ جا رہا تھا ۔ ہر بُوٹا پہلی بار جاتا ہے اور اگر اُس کو باری نہ ملے تو پھر کبھی نہیں ملتی تھی اور اسی لئے وُہ جانا چاہتا تھا ۔۔۔ پانی اُسے اپنے میں ڈبو کر بار بار برف کے تودے کے ساتھ پٹختا تھا پر آگے راستہ نہ تھا ۔۔۔ وہاں بے انت بُوٹے بے بسی سے تیرتے تھے اور ڈوبتے تھے اور اُن میں سے ایک نے کچھ کہا ۔۔۔ "ہم سے جو پہلے ہوئے ۔ سرمور کی اِن پہاڑیوں میں اور چٹانوں کے بیچ جہاں جہاں ہم اُگ سکتے تھے ہم اُگے اور جہاں جہاں ہم بڑھ سکتے تھے ہم بڑھے اور پھر ہمیشہ سے ایسا ہوا کہ بھادوں میں مینہ اُترے اور یُوں اُترے کہ ہم سب اپنی جڑوں سمیت اُن کا حصّہ بن کر بہے اور نیچے گئے ۔ پہاڑیوں سے نیچے اُترے بے انت چھوٹے چھوٹے نالوں کی صُورت میں ایک بڑی ندی میں جا ملنے کے لئے ۔۔۔ اور ہمیشہ سے ہمارے سامنے برف کی یہ چٹان تھی جس کے نیچے سے ہم گذرتے تھے ہم اور ہمارے ساتھ بہتے پانی اور یُوں جُھکی تھی جیسے اور جُھکتی تو راستہ روک لیتی اور اس نے ہزاروں برسوں سے جُھکاؤ ایسے ہی رکھا اور ہمیں گذرنے دیا ۔۔۔ پر اب جانے اس کے جی میں کیا آئی ہے ۔۔۔ اس کے جی میں آئی ہے یا اُس کے جس نے کہا تھا کہ روشنی ہو جا ۔۔۔ اور یہ ہمارے آگے آگری ہے اور ہمارا راستہ بند کر دیا ہے اور ہم اس کے نیچے سے نہیں گذر سکتے اور ہم جانتے ہیں کہ نیچے بڑی ندی کے کنارے ہماری اڈیک میں ہیں کہ ہم آئیں اور اُن کو بھریں پر اب ہم کیا کریں ۔۔ ہم اس کے ساتھ سر ٹکراتے ہیں اور اِدھر اُدھر بہتے ہیں اور اپنے آپ کو الگ الگ کر کے چھوٹے چھوٹے نالے نالیاں بن کر اِدھر اُدھر گُم ہو رہے ہیں ۔۔۔ ہم ایک بڑی ندی نہ بن پائیں گے ۔"

پر اُس بوٹے نے کہا کہ میں تو جاؤں گا ۔ میری باری ہے ۔ اور وہ برف کی چٹان کے ساتھ ٹکراتا رہا اور اُس کے پتے چھِل گئے اور ڈنٹھل کُھرچے گئے پر وُہ زور لگاتا رہا اور آخر کار اُس برف کی دیوار کے ساتھ لگ کر ایک چھوٹا سا راستہ اُسے مل گیا جس میں سے کسمساتا ہوا وُہ بہہ نکلا ۔ دوسرے پہر تاریکی پھر گہری ہو گئی ۔ وہاں گھنے رکھ تھے جن میں وُہ مشکل سے گذرا کہ پانی نہ ہونے کے برابر تھے اور وُہ بہہ نہیں سکتا تھا ۔ رُکھوں کے آخر میں وُہ پہاڑوں کے سینے سے جُدا

ہو کر پانی کی ایک پتلی دیوار میں چُنا ہوا ہوا میں گرنے لگا اور دیر تک گرتا گیا ۔ اُس کا ماتھا ایک مرتبہ پھر پتھروں سے ٹکرایا اور وُہ نیچے گیا اور دور تک وُہ پانی کے نیچے رہا اور جب اُوپر آیا تو وہاں ایک تھمی ہوئی ندی تھی ۔۔۔

"سرسوتی جو بڑے پانیوں کی ماں ہے اور ساتویں ندی ہے ۔۔۔

اُس کے پانی آتے ہیں ۔۔۔

شاندار اور بُلند آواز میں چنگھاڑتے ہوئے ۔۔۔"

پر وہاں کوئی چنگھاڑ نہ تھی ۔۔۔ ٹھہراؤ تھا ۔۔۔ مدھم چلن تھا ۔۔۔ بُوٹے کے نیچے پتھروں اور گیٹوں کی بجائے ریت بچھ رہی تھی اور شور کم ہو رہا تھا ۔۔۔ اور اُسے پانی دھکیل نہیں رہے تھے بلکہ اپنے ساتھ لئے جا رہے تھے ۔۔۔ تب اُس کی ایک شاخ بہاؤ کے اوپر ابھری اور اُس کے چھلے ہوئے جُثے پر دُھوپ چمکی ۔۔۔ اور دیکھو وہاں روشنی تھی ۔۔۔ اور بہت روشنی تھی ۔۔۔

"وہ اپنے زور سے کنول کے ڈنٹھل اکھیڑتی ہے ۔"

"اور اپنی طاقت والی لہروں سے پہاڑوں کے کنارے توڑتی ہے ۔۔"

پر اس میں اب لہریں کہاں تھیں ۔۔۔ ٹھہراؤ تھا ۔۔۔ مدھم چلن تھا ۔۔۔ جیسے تھکاوٹ ہو اور چلانہ جائے اور رُکنے کو جی چاہے ۔۔۔ اور یہاں روشنی تھی اور اسی لئے دن بھی تھا اور رات بھی تھی ۔۔ اور اس کے کناروں کے ساتھ بستیاں تھیں جن کے گھاٹ نیچے آتے تھے اور اُن کی سیڑھیاں سُوکھی ہوئی تھیں ۔۔۔ اور ایسی بستیاں تھی جن میں کم لوگ تھے اور ایسی بھی تھیں جہاں سے دھواں نہ اٹھتا تھا ۔۔۔ تو پھر ان کے باسی کدھر گئے ؟ ۔۔۔ اور وُہ اٹک اٹک کر بہتا رہا پر اب نیچے جہاں ریت تھی وہاں تک گرمی پہنچنے لگی ۔۔۔ پانی کم ہونے لگا ۔ سُوکھی فضا کے سانس اُسے اپنے اندر کھینچنے لگے اور سُورج کی تپش اُسے اڑانے لگی ۔۔۔ ندی کے اونچے کنارے پرے ہوتے گئے ۔ بوٹا اب سکھ میں نہیں بہتا تھا ۔۔۔ اور جب سُورج ڈوبنے کو تھا تو بلند کناروں پر ایک بستی تھی ۔ بستی کے آگے ایک دیوار تھی اُس جگہ جہاں کسی زمانے میں ندی کے پانی مار کرتے تھے اور بستی کو ڈبوتے تھے پر اب وہ وہاں تک پہنچتے ہی نہیں تھے ۔ وہاں تک تو پھر بھی کچھ دور تھا وُہ اب دیوار سے بھی ادھر رہ جاتے تھے اپنی ریت کو ننگا کرتے ہوئے ۔۔۔ دیوار گذر گئی ۔

ندی کو ٹھہراؤ روکتا تھا ۔ وہ تیز نہ تھی ، دھیمی تھی جیسے رُکنے کو ہو ۔

اور بستی سے پَرے سروٹوں کے ساتھ کنارے پر لوگ تھے گھٹنوں پر سر رکھے اُسے دیکھتے تھے اور وہاں وہ سب تھے جو بستی میں تھے ۔ اُن کے چُولہے ٹھنڈے تھے اور اُن میں راکھ تھی کہ وُہ کئی روز سے کنارے پر بیٹھے تھے ۔ وہیں کھاتے پیتے تھے اور وُہیں سوتے تھے ۔۔۔ جیسے اُنہیں بے وسائی ہو کہ کچھ ہو گا اور ہم جان نہ پائیں گے ۔۔۔ اور اِسی لئے وُہ گھٹنوں پر سر رکھے اُسے دیکھتے رہتے تھے ۔

چلنے سے جو دُھول اُٹھتی وُہ اب بیٹھتی نہیں تھی ۔۔۔ وُہیں چھپروں اور کوٹھڑیوں کے اُوپر اُٹھی رہتی اور اب وہ زیادہ نرم اور باریک ہو رہی تھی اور اسی لئے دُھوپ اُسے جلاتی رہتی تھی ۔ ہوا میں بھی دُھول ملتی تھی اور اندر سانس میں بوجھ ہوتی تھی ۔۔۔ بارہ ماہوں میں بس اتنے ہی چھینٹے پڑے ہوں گے اور اُن سے نہ ٹھنڈک ہوئی اور نہ ہوا کو مل ہوئی ۔۔۔ بس بوندوں کے زور سے دُھول پل دو پل کے لئے اوپر اُٹھتی اور پھر وہیں ٹھہری رہتی ۔

مینہ نہ ہونے سے وُہ اب دریا کی طرف زیادہ دیکھتے ۔

سَون چڑھا اور جُنوں میں سے گرمی بھاپ بن کے اٹھنے لگی ۔ بستی میں چند لوگ رہ گئے باقی ڈوبو مٹی کے ادھر سانجھی زمین پر جا کر اپنے ڈیروں میں رہنے لگے ۔ اُن کے ڈھور ڈنگر بھی جان گئے کہ اب آلکس کے دن پُورے ہوئے ، اُنہیں بڑا پانی آنے سے پہلے زمین کو پھرا کرنا تھا ، پھر کھودنا تھا پھر بیج ڈالنا تھا ۔ پہلے پہل تو ہر کھیت کو اپنے لئے بہت پانی مل جاتا پر کچھ برسوں سے سارے کھیتوں کے گرد چھوٹی دیواریں بنانے کا رواج ہوا ۔ پانی آتے تو چار دیواری کے اندر رہتے اور وہیں سو سکتے ۔۔۔ اس برس لوگ کم بولتے تھے ۔۔۔ اُن کے اندر کچھ ہو رہا تھا اور وُہ جانتے نہیں تھے کہ کیا ہو رہا ہے ۔ وُہ سر جھکائے اپنی زمین پر جھکے اُسے کھودتے رہتے اور اُسے دیکھتے رہتے ۔ کئی تو اُس سے باتیں کرتے جیسے وُہ جیتی جاگتی میّا ہو ۔۔۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ کام کاج پُورا کر کے سب بستی میں لوٹ آتے اور پھر اُس دن کی اُڈیک میں رہتے جب سویرے سویرے بستی کی گلی میں اور اُس سے پَرے کھیتوں میں ایک سرسراہٹ تیرتی ، پکھیرو کچھ زیادہ بولتے ، ڈھور ڈنگر ڈکرانے لگتے اور وُہ جان جاتے کہ بڑے پانی آ گئے ہیں ۔ پر اس بار جیسے اُنہیں بے وسائی تھی ۔۔۔ جو بھی کھیت میں کام پُورا کر لیتا وُہ اپنا چُولہا چنگیر اُٹھا کر گھاگھرا کے کنارے آ بیٹھتا ۔۔۔

سب سے پہلے تو دُھروا آیا اور بیٹھ گیا ۔۔۔

اُس کے بعد ماتی اور اُس کے تینوں آ گئے اور پھر اگلے چند دنوں میں بستی کے چھپروں تلے

کوئی نہ سوتا تھا ۔۔۔ سوائے اُن کتّوں کے جو شام ڈھلے کنارے کی طرف آتے کیونکہ اب اُن پانی کی خوشبو اُدھر سے آتی ۔۔۔ وُہ اپنے حصّے کی روٹی کھا کر دُمیں ہلاتے بستی کو لوٹ جاتے جیسے اُس کی حفاظت کو جاتے ہوں ۔۔۔ پر وہاں تھا ہی کیا ۔۔۔

پاروشنی سب سے اخیر میں آئی ۔۔۔ اور وہاں ماتی کے تینوں پُتّر ایک دوسرے میں پروئے اس طرح سوتے تھے کہ وُہ الگ الگ جُثّے نہ لگتے تھے کوئی دریائی جنور لگتے تھے جو گھاگھرا سے نکل کر باہر کنارے پر آکر لیٹ گیا تھا ۔۔۔ ماتی نے پاروشنی کو دیکھا تو اُس کا بُوڑھا جُثّہ ہلنے لگا ۔۔۔ وُہ ہنستی نہ تھی بلکہ اپنے اتھروؤں کو روکتی تھی اور یُوں اُس کا جُثّہ ہلتا تھا تھل تھل کرتا ۔۔۔

"کیا ہوا ماتی ؟" پاروشنی اُس کے پاس ہو بیٹھی ۔

"کچھ نہیں ۔۔۔" اُس نے اپنا سفید بگا جھاٹا ہلایا اور اتھرو پونچھے "تو اب آئی ہے ؟"

"میں وہاں اکیلی کیسے رہ جاتی ۔۔۔ آج سویرے دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا ۔۔۔ میں بھی چلی آئی ۔۔۔" اُس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ دیا اور اُدھر دیکھنے لگی جدھر سب لوگ دیکھتے تھے ۔۔۔ گھاگھرا ویسا ہی تھا جیسا کہ اُس نے اُسے دیکھا ، آج یا پہلے ، ہوش میں یا سوتے میں ۔۔۔ اُس میں کچھ فرق نہ تھا ، وُہ بہتا تھا اور اُس کے بہاؤ پر ایک پرندہ مچھلی کے لئے ڈبکی لگانے کو پر تولتا تھا ۔۔۔

"سب ادھر کیوں آگئے ہیں ؟"

"پہلے دُھروا آیا تھا ۔۔۔"

دُھروا بُہت پرے تھا پاروشنی کو دیکھ کر پاس آرہا تھا اور جب آگیا تو بولا "پہلے میں آیا تھا ۔۔۔"

"تم آگئے ہو تو زیبو بیلوں کو چارہ کون ڈالتا ہے ، باڑے کی رکھوالی کون کرتا ہے ؟"

"وُہ تو پوتر جنور ہیں پاروشنی ۔۔۔ اُنہیں رکھوالی کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔ اور چارہ میں ڈال آتا ہوں روز جا کر ۔۔۔ پر ادھر تو آنا تھا ۔"

"پر کیوں ؟"

"بڑے پانی کی راہ دیکھنے ۔۔۔"

"وُہ تو آتے ہیں ۔۔۔ تم ادھر آکر بیٹھو یا ادھر اپنے باڑے کے باہر تھڑے پر ، وُہ تو اپنے دنوں میں آتے ہیں دُھروا ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔" دُھرداکی ٹھوڑی پر چِگی داڑھی ہوا میں لہرانے لگی "ہاں وُہ اپنے دنوں میں آتے تو ہیں پر میں نے سوچا یَم کے کُتّے یہاں بھی آئیں گے اور وہاں بھی اور میں کوئی گھاس پھونس ہوں جو یُوں بیٹھا رہوں ۔۔۔ یہاں اُن کی آس رکھنے کی بجائے وہاں دریا کے پاس چلا جاتا ہوں ۔۔۔ پھر ماتی آگئی ۔۔۔ پھر اگلے دن ادھر اور بہت سارے آگئے ۔۔۔ یہ اچھی بات ہے کہ ہم سب ادھر ہیں کھُلی ہوا میں اور بڑے پانی کی راہ دیکھتے ہیں ۔۔۔"

"راہ دیکھتے ہیں؟" پاروشنی کا کلیجہ زور سے دھڑکا ۔۔۔ راہ بُھولنے کا تو نہیں ہے ۔۔۔ پانی تو راہ نہیں بُھولتے ۔۔۔ تو پھر اُن کی راہ کیوں دیکھتے ہیں ۔

اُس شام جب سب سے پرے ہو کر پاروشنی نے اپنے چُولہے میں آگ جلائی اور اپنی ہانڈی چڑھائی تو اُس کا کلیجہ اب بھی دھڑکتا تھا ۔۔۔ وُہ ادھر صرف اس لئے آئی تھی کہ آئے گی اور کہے گی کہ تمہاری مَت ماری گئی ہے جو سب کے سب یہاں آکر بیٹھ گئے ہو ۔۔۔ اپنے اپنے ڈیروں اور چھپروں کو لوٹ جاؤ ، بڑے پانی تو آنے ہی ہیں تو تم یہاں کیا کرنے آئے ہو ۔۔۔ پر اب گھاگھرا کے دیکھنے سے اُس کا کلیجہ دھڑکتا تھا ۔۔۔ اور اب اگر سارے کے سارے واپس چلے جائیں تو وُہ واپس جانے والی نہیں تھی ۔ وُہ پانی سے اپنی نظریں نہیں ہٹا رہی تھی جیسے اُسے یقین ہو کہ اگر اُس نے نظریں ادھر ادھر کیں تو ۔۔۔ پانی نہیں آئیں گے ۔۔۔ اور جب ہانڈی میں سے پکنے اور گلنے کی ہواڑ آئی اور ہوا میں پھیلی تو کوئی اُس کے پاس آیا اور بیٹھ گیا جو ورچن تھا ۔ اور پھر سمرو آیا اور کچھ دور کھڑا ہو گیا اور پاروشنی نے اُسے بلایا کہ آؤ کچھ اَن پانی کر لو ۔۔۔ وُہ دونوں سر جھکائے اُس کے پاس بیٹھے تھے جیسے وُہ میا ہو اور وُہ دریا کو دیکھتی تھی جو شام کی سیاہی میں ملتا جاتا تھا اور اُس کے بہاؤ کے اوپر اُڑتا پرندہ بھی اُسی سیاہی میں ملتا جاتا تھا ۔

کنارے کے ساتھ ساتھ چُولہوں میں اُپلے سُلگتے تھے اور اُن کی لَواب دُور سے دِکھتی تھی اور ہر چولہے کے پاس کوئی ایک پاروشنی تھی اور اُس کی پیڑھی کے پاس کوئی ورچن یا سمرو تھا ۔۔۔

ہم سب کتنے ہیں ؟ ۔۔۔ پاروشنی نے ہانڈی میں ڈوئی پھیرتے ہوئے اوپر دیکھا کنارے کے آخر تک ۔۔۔ بلکہ ہم سب کتنے چولہے ہیں ؟ ایک چُولہا ایک پُوری حیاتی ہے، اُس کا تانا بانا ہے ۔ جب وُہ جلتا ہے تو سانس چلتا ہے اور جب بُجھتا ہے تو سب کچھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے ۔۔۔

چُولہوں میں سُلگتے اُپلوں پر راکھ ایسے آتی گئی جیسے کلراٹھی زمین پر کلرّ آنے لگتا ہے ۔ کنارا اونچا تھا پر ہوا نہ لگتی تھی کہ ہوا تھمی ہوئی تھی اور اُن سب کے جُثے جو اپنے اَن پانی پر جُھکے ہوئے تھے پسینے سے بھیگتے تھے ۔۔۔ اور گھاگھرا بھی جیسے ہوا کے ساتھ تھما ہوا تھا وہاں سے بھی ۔

کوئی سرسراہٹ نہ آتی تھی جو یہ بتائے کہ بڑے پانی آنے کو ہیں ۔ اور شام اندھیرے میں گم ہوتی تھی ۔

ورچن نے دیئے کی بتی کو آگ دکھائی تو وُہ تڑتڑا کے جلی بُجھی اور پھر جلنے لگی اور اُس کا شعلہ بھی تھمی ہوئی ہوا میں جیسے تھم گیا اور ٹھہر گیا ۔

گھاگھرا کے کنارے سے جہاں چُولہے سُلگتے تھے وہاں اب دیئے دِکھتے تھے ۔۔۔ اور ہم سب کتنے دیئے ہیں؟

اور ایسے کچھ دن گُذرے ۔۔۔ بھادوں کا اخیر تھا جب وُہ چھپّر چھوڑ کر گھاگھرا کے کنارے آئے اور اب اسّوں چڑھ گیا تھا ۔۔۔ ہوا جیسے کہیں اور چلی گئی تھی ، کبھی کبھی آتی اور جھاتی مار کر چلی جاتی ورنہ ہر شے اُس کے بغیر رہتی اور چُپ رہتی ۔ پکلی کے آوے کا دھواں بھی جب کبھی اُٹھتا تو بنا پھیلے سیدھا آسمان میں دم سادھے جاتا تھا ۔۔۔ دن کے وقت جب سُورج اُنہیں بیٹھنے نہ دیتا اور اُن کے تلووں تلے زمین بھی جلنے لگتی تو وُہ اٹھ اٹھ کر سروٹوں کے اندر بیٹھتے تاکہ دُھوپ سے بچاؤ ہو پر وہاں ایسا گُما ہوتا کہ سانس رُکتا اور وُہ پسینے میں نچُڑتے پھر کنارے پر دُھوپ میں آ بیٹھتے اور اپنے سر پر ہتھیلیاں جما کر اپنے بھیجے کو پگھلنے سے بچانے کی کوشش کرتے پر جیسے اُن کے سر کے اندر بھی پسینہ چُھوٹتا اور بہتا ۔۔۔ پہلے تو ایسے ہوتا تھا کہ بستی سے ادھر کو جو بھی آتا جیسے بھی کام کاج کو آتا تو وُہ دریا میں ایک دو ڈبکیاں لگا کر جاتا ۔۔۔ جیسے پکی ہوئی بیریوں کے پاس سے گذر جانا مُشکل ہوتا ہے ویسے ہی گرمی میں بہتے دریا کے پاس سے گذر جانا مشکل ہوتا ہے ۔۔ پر اب یہ ہوا تھا کہ وُہ اُس کے اندر جانے سے جھجکتے ۔۔۔ وُہ پسینے سے نچُڑتے رہتے اور گئے میں مُنہ کھولے ہانپتے رہتے پر کنارے سے اُتر کر دریا میں نہ جاتے ۔۔۔ کیا جھجھک تھی اور کیوں تھی ۔ بس کہیں اُن کے اندر یہ تھی کہ ہم اگر اس میں اُترے تو شائد کچھ ہو جائے اور یُوں وُہ ایسے تھے کہ پکی ہوئی بیری کے پاس بیٹھے رہتے پر ڈھیم مار کر اُس کے بیر نہ گراتے ۔۔۔ وُہ آپس میں بہت کم بات کرتے تھے ۔ اُن کی ٹھوڑیاں اُن کے گھٹنوں پر رکھی رہتیں اور اُن کی مہین آنکھیں دریا کے بہاؤ پر جھپکتی رہتیں ۔ وہاں جھاگ نے آنا تھا ۔۔۔ جھاڑیوں کے پتّوں اور ٹہنیوں نے تیرتے آنا تھا اور پھر ۔۔۔ اُس نے بولنا تھا کہ میں آرہا ہوں ۔

وُہ کنارے پر بیٹھے پانیوں کو تکتے رہتے ۔

انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ جب بڑے پانی آئیں گے اور وہ کناروں سے باہر نکل کر دھیرے دھیرے ان کے کھیتوں کی طرف جائیں گے تو وہ ان کے آگے آگے چلیں گے جیسے راہ دکھاتے

ہوں اور جب وہ ان کی کھودی ہوئی زمین کو گیلا کر کے وہاں رکیں گے تب وہ بھی اپنے چھپروں اور ڈیروں کو لوٹیں گے پر اس سے پہلے نہیں ۔

پاورشنی پہلے تو ورچن سے پرے تھی اور سمرو سے پرے تھی تو اب وہ شائد اپنے آپ سے بھی پرے ہو گئی اور وہ سب جانتے تھے کہ وہ پرے ہو گئی ہے ۔

سب آئے تھے پر ڈور گا نہیں آیا تھا ۔

"وہ ہم میں سے نہیں ہے اور ہم سے اسے کیا۔ اس لئے اُسے کیا" پکلی منہ کھول کھول کر کہتی ۔۔۔ وہ بھی سب کے ساتھ بیٹھی رہتی پر کبھی اٹھتی اور اپنا آوا چڑھا آتی ۔۔۔ اب اس کے منہ میں دانتوں کی ایک بھی سفیدی نہیں تھی اور سارا اندھیرا تھا بالکل پوپلا ۔ اس کی ٹھوڑی بیٹھ گئی تھی اور ہونٹ پچک گئے تھے ۔۔۔" وہ اپنے آوے کے پاس بیٹھا ہے ۔۔۔ اپنے بال بچے کی بھی فکر نہیں ۔۔۔ بوڑھے کے جائے ہمیشہ بن باپ کے رہتے ہیں ۔۔۔ اُسے کیا"

اور ایک سویر ورچن اٹھا اور ادھر چلا گیا اور اس نے ڈور گا کو دیکھا اور اس نے ڈور گا کے پاس جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر اسے سندھو کے کنارے ایک شام یاد آئی جس میں ایک اسوا تھا اور پورن تھا اور اسے ہاتھ لگا ورچن ۔۔۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا ۔۔۔ اس کا ڈر میرے اندر ہے ۔ تو اس نے ڈور گا کے پاس جو کچھ دیکھا وہ صرف موہنجو میں دیکھا تھا ۔۔۔ پکی سرخ اینٹوں کی ایک چار دیواری ۔۔۔ جو ابھی کمر تک آئی تھی ۔۔۔ اور ڈور گا بے حد مہارت سے ردّے کے اوپر ردّا لگا رہا تھا ۔۔۔ اس بستی میں یا گھر کے آس پاس کہیں بھی پکی اینٹ کا رواج نہ تھا سوائے دریا کے آگے جو دیوار بنائی جاتی ہے اُس کے لئے ۔۔۔ اس لئے یہاں پکلی کے آوے کے قریب کھلے میدان میں پانچ سات ہاتھ لمبی چوڑی چار دیواری عجیب ان ہونی لگ رہی تھی ۔۔۔ جیسے کسی نے موہنجو کا ایک ٹکڑا اٹھا کر ادھر رکھ دیا ہو ۔۔۔

ڈور گا نے اسے اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا پر مچل مارے بیٹھا رہا جیسے نہیں دیکھا اور گارے کو سنوار سنوار کر پھیلاتا رہا اور پھر اس پر پکی اینٹ رکھ کر دیکھتا رہا کہ کتنے گارے میں وہ ٹھیک بیٹھتی ہے اور پھر اچھی طرح سے جمتی ہے ۔۔۔ ورچن پاس ہوا تو بولا "ڈور گا کیا بناتے ہو"؟

"ایک چھوٹا سا موہنجو ۔۔۔" ڈور گا نے جب سر اٹھایا تو ورچن کو اچنبھا ہوا کہ اس کا مہاندرا جیسے کچھ برس پیچھے چلا گیا ہو ۔ وہ اب اتنا بوڑھا نہیں لگ رہا تھا ۔ اس نے ایک اینٹ اٹھا کر آگے کی "اسے اٹھا کر دیکھو"۔

"بھاری ہے ۔۔" ورچن نے کہا

"ہاں ۔۔۔ اور یہ میں نے بنائی ہے اور میں یہ اینٹ ہزار برس سے بنا رہا ہوں پر ورچن میں صرف بناتا رہا ہوں ۔۔۔ تم جانتے ہو کہ بھٹے کی چار دیواری میں کچھ پتہ نہ تھا کہ ہم جو اتنی ڈھیر ساری اینٹیں پکاتے ہیں تو وہ کہاں جاتی ہیں اور ان سے کیا بنتا ہے اور جب میں اس چار دیواری سے باہر نکلا تو میں نے پہلی مرتبہ وہ دیواریں اور حویلیاں اور کنک گودام دیکھے جو میری بنائی اور پکائی ہوئی اینٹوں سے بنے تھے پر ان میں لوگ اور تھے جو رہتے تھے ۔ ایسے لوگ جو کبھی بھٹے کے اندر نہیں گئے تھے اور انہیں پتہ نہ تھا کہ ایک اینٹ بنانے میں اور پکانے میں کتنا پسینہ بہتا ہے اور کتنا منہ خشک ہوتا ہے اور کتنا جسّہ جھلستا ہے ۔۔۔ اور وہ لوگ میری بنائی ہوئی اینٹوں میں رہتے تھے اور تب جب میں کشتی پر سوار ایک کونے میں منہ چھپائے بیٹھا تھا اور تمہیں دیکھتا تھا اور اس مو بنجو کو دیکھتا جو میری پیٹھ سے پرے ہٹتا جاتا تھا تو میں نے یہ سوچا تھا کہ کبھی میں اپنے لئے بھی اینٹ بناؤں گا اور پکاؤں گا اور اس سے ایک چار دیواری بناؤں گا اور دیکھوں گا کہ اس کے اندر جانا کیسا لگتا ہے "۔

ورچن پچھلے کئی دنوں سے بندھا ہوا تھا ۔ وہ کھل نہ سکتا تھا پر ڈور گا کی بات سن کر کھل گیا اور مسکرانے لگا "تو پھر کیسا لگا"؟

دیکھ لو ۔۔۔ ڈرو گا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تین چار پلاہنگ لمبے اور چوڑے احاطے کے اندر لے گیا ۔۔۔ "میں آخر اپنے گھر میں ہوں۔

"تم تو ہو ۔۔۔ تم تو ہو" ورچن کچھ کہنے کو تھا پر چپ رہا اور ڈور گا جان گیا کہ وہ کچھ کہنے کو تھا "کہو تو سہی ۔۔۔ تم بیلی ہو اور تمہیں تو سکھ ہونا چاہئیے کہ میں نے جو پسینہ بہایا تو اپنا گارا بنایا اپنی آگ جلا کر اپنی اینٹ پکائی ۔۔۔ پہلی بار پر تم کچھ کہتے کہتے چپ ہوئے ہو ۔۔"

"تم اس میں رہو گے"؟

"ہاں" ۔ ڈور گا میں اچنبھا تھا ۔

"کب تک"؟

"کب تک ؟ ۔۔۔ جب تک میں ہوں ۔ اور پھر میرے جائے اس میں رہیں گے ۔۔۔ اور پھر ان کی اولاد تب تک ۔۔۔"

ورچن نے سر جھٹکا "پر تم نے دیر کر دی" ۔۔۔

"کیسی دیر؟" ڈور گا نے اس کا کندھا پکڑ کر منہ اپنے سامنے کیا ۔ "کیسی دیر؟" ۔۔۔ میرا خیال ہے تم دھوپ میں چلتے آئے ہو اور تمہارا بھیجہ کچھ پگھل گیا ہے ۔۔۔ اور تم ایسی باتیں

کرتے ہو" ۔۔۔ وہ گیلی دیوار کے سائے میں رکھی جھجھر سے اس کے لئے پانی کا ایک پیالہ بھر لایا "لو اپنے آپ کو ٹھنڈا کر لو"

ورچن نے پیالا اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما اور اس میں لرزتے پانی کو دیکھا "تم نے دیر کر دی ہے ۔۔۔" اور پھر ایک ہی سانس میں پیالہ ایسے خالی کیا کہ اس کی وراچھوں سے بہہ کر پانی کی دھاریں زمین پر گریں ۔

ابھی ڈورگا اسے پانی دے رہا تھا اور ویسا تھا جیسا کہ وہ خود تھا اور ابھی اس کا مہاندرہ یوں بدلا کہ وہ پھر سے بوڑھا ہو گیا ۔ نہ صرف بوڑھا ہوا بلکہ بہت بوڑھا ہو گیا اور اس کا سر لرزنے لگا اور اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور اس کی ناک لچکنے اور پھیلنے لگی اور اس نے کان پر ہاتھ رکھ کر ادھر کیا جدھر رکھوں کا ذخیرہ تھا اور بیٹھی ہوئی آواز میں بولا ۔۔۔ "سنو"

ورچن نے ادھر کو دھیان کیا ، آنکھیں بند کر کے کان پر ہاتھ رکھ کر ادھر کو پورا دھیان کیا پر ادھر کچھ نہ تھا چپ تھی ۔

"تم نے سنا" ؟ ڈروگا نے پوچھا ۔

"نہیں ۔۔۔"

"صرف میں سنتا ہوں" ۔۔۔ ڈورگا بولا ، "اور میں ڈرتا نہیں ۔۔ وہ مجھے بلاتا ہے اور میں جاؤں گا" ۔

"کون ڈورگا" ؟

"وہی جو ڈکراتا ہے ۔۔۔ جس نے میرے جتے کو ادھیڑا تھا وہی بلاتا ہے" ۔۔۔

ورچن نے ایک بار پھر کوشش کی کہ کچھ سن لے پر وہاں سننے کو کچھ نہ تھا اور اس نے یہی جانا کہ ڈورگا بوڑھا ہے اور دھوپ میں اینٹیں اٹھاتا ہے اور گارا بناتا ہے تو اس کے بھیجے پر بھی اثر ہو گیا ہے اس لئے وہ مسکرانے لگا "تم بھی ایک پیالہ پانی پی لو اور اپنے کو ٹھنڈا کر لو ۔۔۔"

"تم جانتے نہیں کہ وہ مجھے بلاتا ہے" ؟ ڈورگا نے دکھ سے کہا ۔ "تم سنو تو سہی ۔۔۔ تم سنتے ہی نہیں" ۔

"ہاں میں سنتا ہوں" ۔۔۔ ورچن نے ہاتھ میں پکڑا پیالہ زمین پر رکھا اور پھر جھجھر کو گلے سے پکڑ کر اس پر الٹا دی ۔۔۔ کچھ پانی پیالے سے باہر گرا ۔ "تم چلے جانا اگر وہ بلاتا ہے لیکن ابھی یہ پانی پیو" ۔۔۔

ڈورگا نے پیالہ تھاما اور ایک گھونٹ بھر کر رکھ دیا ۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں ڈھیلا ہو گیا ہوں اور

سنتا ہوں جب کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے ۔ تم بناشک چل کر دیکھو وہاں وہ ہے اور وہ ڈکراتا ہے اور مجھے بلاتا ہے"۔

ورچن نے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کو منہ پیڈا کر لیا ۔۔ "نہیں نہیں ڈورگا تم ڈھیلے کیسے ہو سکتے ہو ۔۔۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو" ۔۔۔

"جھجھر میں اور پانی تو نہیں ہے ۔"؟

"نہیں ۔۔۔ دریا کا لاتے ہو" ؟

"نہیں ۔۔۔ پاروشنی کے کنویں میں سے نکال کر لاتا ہوں ۔۔۔ اس کا سواد الگ ہے ۔۔ تم جان نہیں سکے"؟

لگتا تھا کہ یہ سواد اپنا ہے"

ورچن ہنسنے لگا ۔۔۔ "۔۔۔ اور ڈورگا" ۔۔۔ ورچن یکدم چپ ہوا ۔۔۔ "تم جانتے ہو کہ سارے کے سارے لوگ ادھر گھاگھرا کے کنارے دن رات کرتے ہیں ۔ چولہے چنگیریں اور پیڑھیاں چھپروں سے نکال کر وہاں لے آئے ہیں تاکہ بڑے پانی کو آتا دیکھ سکیں" ۔۔۔

"ہاں مجھے پتہ ہے" ۔۔۔ ڈورگا نے کہا ۔۔۔ "مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ مجھے بھی ان کے ساتھ ہونا چاہیئے ۔ میں اب اس بستی کا ہوں پر تم سمجھو کہ میرے لیے پکی اینٹوں کی یہ چار دیواری بنانا ایسا ہے کہ جب میں ایک اینٹ لگاتا ہوں تو میں اور زندہ ہوتا ہوں اور وہ سارے سانس جو میرے تھے پر دوسروں نے لئے میرے پاس واپس آتے ہیں ۔ بس دو چار دن کا کام ہے اور یہ پورا ہو جائے گا ۔ پھر میں اس کے اوپر چھت ڈالنے کو سروٹ لاؤں گا اور پھر تمہارے ساتھ جا بیٹھوں گا ۔۔۔ میرا چولہا اور چنگیر تو پکلی لے جا چکی ۔۔۔

"میں چلتا ہوں ۔۔۔"

وہ ڈورگا سے کچھ دور آیا ہو گا کہ اس کی آواز پیچھے آئی "ورچن" ۔۔۔

وہ مڑا ۔ ڈورگا اس کی طرف دیکھتا تھا ۔ "دیکھو مجھے خیال نہیں رہا پوچھنے کا ۔۔۔ پاروشنی اپنے چھپر میں نہیں ہے ناں ۔ تو ایک عجیب بات ہے ۔ پتہ نہیں ہے کہ نہیں پر مجھے عجیب لگی "۔۔۔

"کیا؟"

"تم ادھر آ کر سنو" ۔۔۔ ڈورگا نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ادھر ۔۔۔

ورچن پھر واپس ہوا "ہاں کیا کہتے ہو"؟

ڈورگا تھوڑا سا بودن لگ رہا تھا کہ میں یہ کیا کہنے لگا ہوں پر اس نے کہہ دیا ۔۔۔ ''میں جب کنویں میں بوکا پھینکتا ہوں تو وہ ۔۔۔ دیر سے پانی کو لگتا ہے''۔

''کیا ؟'' ورچن نے تیوڑی چڑھائی ''کس کنویں پر''؟

''میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں پاروشنی کے کنویں سے پانی بھرتا ہوں اور کچھ دنوں سے ایسا ہے کہ ۔۔۔ دیکھو جب میں بوکا اٹھا کر کنویں میں گراتا تھا تو مجھے پتہ ہوتا تھا کہ میں ایک دو تین بار اوپر نیچے سانس لوں گا ، تو چوتھے سانس پر یہ پانی کو جا لگے گا اور چھپاک کی آواز آئے گی ۔۔۔ پر ۔۔۔ کچھ دنوں سے ایسا ہے کہ تین بار سانس لینے کے بہت بعد آواز آتی ہے''۔

ورچن سمجھا تو سہی پر اسے ایسے دیکھا جیسے نہ سمجھا ہو ۔۔۔ ''اچھا''

''ہاں'' ڈورگا کے چہرے کی کالک گہری ہوئی ۔ ''پانی نیچے ہوگیا ہے''

''اچھا'' ورچن نے سر کھجایا ''نہیں'' ۔۔۔

''ہاں'' ۔۔۔

ورچن کے اندر یہ بات دور تک گئی اور بہت دیر کے بعد چھپاک سے کہیں گری کہ پانی نیچے ہوگیا ہے ۔۔۔

کچھ دن اور گزرے اور ایسے ہی گزرے ۔۔۔

انہوں نے اسوں کی سانس سکھانے والی دھوپ سے بچاؤ کے لئے کنارے کے ساتھ ساتھ سروٹوں کے چند چھپر بنا لئے ۔۔۔ یوں تو جن کے ذمّے ڈھور ڈنگر کا چارہ تھا وہ سویرے سویرے اپنے ڈیروں کو جاتے اور ان کے لئے چارہ بنا کر ان کے آگے ڈال آتے ۔۔۔ پر اب وہ ڈنگروں کو بھی ساتھ لے آئے اور کنارے کے ساتھ سروٹوں کے چھپروں تلے باندھ دیا ، ایسے اب وہ گھٹنوں پر سر رکھے نراگھرا کو نہ دیکھتے بلکہ ڈنگروں کی دیکھ بھال میں جی لگاتے اور پھر شام ہوتی تو کنارے پر آبیٹھتے کیونکہ جب بھی بڑے پانی آتے تھے تو شام کے وقت ہی آتے تھے ۔۔۔ چارہ سوکھا ہوتا تھا اور کم ہوتا تھا ۔ جو بیٹھے تھے ان میں کُومی بھی تھی ۔

سانجھے کام کاج کے سوا ہر کوئی اپنی من مرضی سے کچھ نہ کچھ اور بھی کرتا تھا جیسے کھیت کھودنا اور بیج ڈالنا تو سانجھا کام تھا ۔ چھپروں کے گھڑوں میں پانی بھرنا ۔ چھپر بنانا ۔ برتن پکانا ۔ دریا میں سے مچھلیاں پکڑنا یا رکھوں میں جا کر جنور مارنا تو اپنا اپنا کام تھا ۔۔۔ یوں کُومی کا کام اُپلے تھاپنا تھا اور پھر انہیں سکھا کر سب میں بانٹ دینا تھا ۔ یہ نہیں کہ بستی میں اور کوئی اُپلے نہیں تھاپتا تھا ۔ سبھی اپنے ڈنگروں کے گوبر کو کام میں لاتے تھے پر کُومی گوبر سے ایسی چیزیں بناتی

جیسے پکلی مٹی سے برتن بناتی تھی ۔۔۔ وہ اپلوں کی صورت نکالتی تھی اُن کی شکلیں بناتی تھی ۔ وہ یہ جانتی تھی کہ کس جنور کا گوبر کیا کھانے کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ اسے سکھانے کے بعد جلایا جاسکتا ہے ایسے کہ وہ بالکل دھواں نہ دے یا اس میں بُو نہ ہو ۔۔۔ اور پھر بھی اس میں آگ زیادہ بنے ۔۔۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کتنا گوبر کتنی مٹی میں ملا کر لیپ دیں تو وہ پکا ہوتا ہے اور کیڑوں مکوڑوں کو دور رکھتا ہے کیونکہ گوبر کے لیپ میں چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے پاس نہیں آتے ۔۔۔ کُومی بھی یہاں تھی سب کے ساتھ پر اب وہ کچھ اپنے دھیان میں نہیں رہی تھی ۔ وہ اُپلے تھاپتی اور پھر اُنہیں کسی دیوار کے ساتھ لگانے یا میدان میں سکھانے کی بجائے پانی میں پھینکتی جاتی ۔۔۔ اور یہ کام وہ منہ پیٹ کر کے بڑی لگن سے کرتی ۔۔۔ وہ ایسا کیوں کرتی تھی ، اس سے کون پوچھتا ، بس وہ ایسا کرتی تھی ۔

اور ان بیٹھنے والوں میں گجرو ۔ کولا ۔ گوگا ۔ سُکرا اور بُوٹی تھے اور کاری ۔ جبّو ۔ لکھی ۔ چولی اور ہرمی بھی تھیں اور پھر ۔ بچے تھے جو بڑوں کے منع کرنے کے باوجود پانی میں اُتر جاتے اور سارا دن نہاتے رہتے ۔

بستی میں رہ جانے والے کتّے پہلے تو شام ڈھلے ادھر آجاتے اور ہر چولہے کے سامنے کھڑے ہو کر دمیں ہلا ہلا کر اپنا حصہ مانگ لیتے اور پھر رات کو جیسے راکھی کرنے واپس چلے جاتے پر اب وہ آلکس سے مارے گئے تھے اور واپس بستی کو نہیں جاتے تھے ، وہیں اِدھر اُدھر پڑے رہتے تھے ۔۔۔ بستی جو بندوں کے بغیر تھی اس کی راکھی کرنے سے کیا فائدہ ۔۔۔ ایسا لگتا تھا جیسے ٹیلے پر پھیلی ہوئی چھپروں کی بستی اب ہمیشہ کے لئے اجڑ چکی ہے اور لوگ اب یہیں دریا کے کنارے ہی بسیرا کریں گے ۔

دیر ہو رہی تھی ۔ پر سب تسلی میں تھے کہ اب وہ آتے ہوں گے ۔۔۔ ہم انہیں سنیں گے ، ان کی جھاگ دور سے دکھائی دے گی اور اس کے پیچھے وہ آجائیں گے ۔

عورتیں سارا دن اپنے لیڑوں میں تروپے لگاتی رہتیں ۔ سمرو ، مہریں بنانے کا سامان ساتھ لے آیا تھا اور وہ انہیں نت نئے روپ دیتا پر توڑ دیتا ۔۔۔ وہ جب سے ادھر گھاگھرا کے کنارے پر آیا تھا تب سے وہ سوتے میں کہیں نہیں گیا تھا ۔۔۔ اور اس کو پیاس بھی کم لگتی تھی ۔ ہاں پاروشنی نے اسے رات گئے دیکھا تھا کہ وہ اٹھتا ہے اور دریا کے اندر جا کر پانی پر منہ رکھ کر اسے جنوروں کی طرح شڑپ شڑپ اپنے اندر اتارتا ہے اور وہ جانتی تھی کہ وہ پیاسا ہے ۔ پر اس نے سمرو کو یہ نہیں بتایا کہ تو اب بھی رات کو سوتے میں چلتا ہے اور اسی لئے وہ اس خیال میں

تھا کہ اب اسے پیاس نہیں لگتی اور اب وہ سوتے میں کہیں نہیں جاتا ۔

مرد کھیتی میں کام آنے والے اوزاروں کی مرمت کرتے رہتے اور رات گئے پہلے تو اپنی عورتوں کے ساتھ ہوتے تھے پر اب وہ اس کام سے بھی پرے ہو گئے تھے ۔۔۔

دھرواجو شروع میں منہ کھولے بڑبڑاتا تھا اور باتیں کرتا تھا اب چپ رہتا تھا ۔

ایک گھبراہٹ اور بے چینی تھی جو دھیرے دھیرے ان سب میں تیرنے لگی تھی ۔ یہ گھبراہٹ ان کے جتوں میں مرتے پکھیرو کی طرح پھڑپھڑاتی تھی اور وہ جان نہ پاتے تھے کہ ایسا کیوں ہے ۔

گجرو اور چمرو بارے لوگ کہتے تھے کہ جوانہیں بولتا سنے گا وہ اپنی حیاتی سے زیادہ جئے گا کیونکہ یہ دونوں بہت ہی کم بات کرتے تھے ۔ ہاتھ کے اشاروں سے اور سر کے ہلانے سے وہ پرے نہ ہوتے بس سر جھکائے کام کرتے رہتے ۔ سوتے ، کھاتے پیتے ، کام کرتے اور اپنی گھر والیوں کے پاس جاتے پر بات نہ کرتے ۔۔۔ اور یہ کوئی اچنبھے والی شے نہیں تھی بس وہ ایسے ہی تھے پر وہاں گھاگھرا کے کنارے جب ایک شام کوئی بھی چولہا نہ جلا اس لئے کہ کسی کا جی نہ چاہا کہ اُپلے سلگائے تو گجرو پہلے بولا اور بعد میں چمرو نے اس کا ساتھ دیا "ہماری ناک میں جو اُپلوں کے جلنے کی بو نہیں آتی تو سمجھو ہم نے سانس نہیں لیا ۔۔۔ ہم میں جب سے سمجھ بوجھ آئی ہے تب سے شام ڈھلے ہماری ناکوں نے اپلوں کے دُھویں کو ایسے سُونگھا ہے کہ وہ ہمارے سارے جتے میں پھیلتا ہے اور بتاتا ہے کہ شام ہوئی اور اب خالی چنگیریں روٹیوں سے بھریں گی ۔۔۔ پر آج شام ایسا نہیں ہوا ۔۔۔ صرف اس لئے کہ بڑے پانیوں کے آنے میں دیری ہوئی جارہی ہے اور ہم مارے گھبراہٹ میں ہیں ۔۔۔"

اُن سب کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لئے وہ ان دونوں کے گرد ہو گئے کہ دیکھیں یہ کیا کہہ رہے ہیں ۔

"اچھا تو تمہاری مت میں کیا آتا ہے کہ ہم کیا کریں" ؟ بوٹی بولا ۔ بوٹی بستی میں کتوں کے ساتھ مل کر راکھی کرتا تھا ۔ یہ تو نہیں کہ وہاں چُرانے کو بہت کچھ تھا یا بستی میں کوئی ایسا تھا جو دوسروں کی چیزوں پر نظر رکھتا ہو پر کبھی ایسا ہوتا کہ بستی کے آس پاس رات دو رات ٹھہرنے والا کوئی تپڑی واس ادھر آجاتا اور جو کچھ ہاتھ لگتا لے جاتا ۔۔۔ اور راکھی کی ضرورت یوں بھی تھی کہ کوئی ڈھور ڈنگر کھل کر کہیں چلا نہ جائے ادھر ڈوبو مٹی کی طرف یاریت میں ۔۔۔ تو اس لئے اسے بوٹی راکھا بھی بولتے تھے اور اسے نے یہی پوچھا کہ تمہاری مت میں کیا آتا ہے کہ ہم کیا

کریں ۔۔۔ وہ دونوں جبّو کے پاس آئے اور کہنے لگے "جبّو تم اس گھاگھرا کے کنارے کب سے ہو ۔۔۔ کچھ یاد ہے ؟" جبّو ایک ایسی بوڑھی تھی جو اس سمے بھی بوڑھی تھی جس سمے اسے کسی نے بھی پہلی بار دیکھا تھا ۔۔۔ وہ چلتی پھرتی کم تھی اور آنکھیں بند کئے چھپر تلے لیٹی رہتی تھی ۔ پاروشنی اسے کھانے پینے کو دے آتی تو جبّو بھی یہاں تھی سو اس نے بھی کہا کہ تم دونوں جو شور کرتے ہو تو ہم کیا کریں ۔۔۔

"تم سب میرے بعد آئے" ۔۔۔ وہ بولی ۔۔۔ "مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کب سے ہوں پر یہ ہے کہ جب میں نے چلنا پھرنا سیکھا تو رکھوں میں پہلی بار مور بولا تھا" ۔

"تو پھر کبھی ایسا ہوا کہ بڑے پانی نہ آئے ہوں" ؟ وہ دونو اُس پر جھکے ۔

جبّو نے ان کے بے چین زور والے جتّے دیکھے اور پھر حیرت سے بولی "ایسا کیسے ہو سکتا ہے ؟ ایسا تو کبھی نہیں ہوا ۔۔۔ اور نہ ہو گا" ۔

اب آلکسی کا مارا ہوا لنگ کا بھکشو بھی اپنے کو گھسیٹتا آگے آیا "میں تمہیں بتاؤں ۔۔۔ میں بتاؤں"

"نہ تم نہ بتاؤ" ۔۔۔ سکھی جو تنور بجھاتی تھی اور اپنی روٹی کے بدلے سب کی روٹیاں لگاتی تھی کہنے لگی "۔۔ تمہیں اور تمہارے لِنگ کو روٹی ملتی ہے ۔ سرسوں کا تیل اور گُڑ کے پھول ملتے ہیں ۔ تم بس اسی لئے ہو ۔ تم نے کیا بتانا ہے ۔ نہ کام نہ کاج ۔ تم کیا بتاؤ گے "

بھکشو گردن پر بڑھا ہوا ایک ناخن چلاتا پیچھے ہو گیا ۔ تب وہ دونوں کہنے لگے جبّو کہتی ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا پر اب کی بار دیری ہو رہی ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ گھاگھرا ہم سے روٹھ گیا ہو اور اس کے من میں یہ آتا ہو کو کہ ہم اسے منائیں ؟ ۔۔

"کیسی بے سمجھی کی بات کرتے ہو" ۔۔۔ پاروشنی پہلی بار بولی ۔ "گھاگھرا تو ہم خود ہیں ، ہم سب ۔۔۔ تو ہم اپنے آپ سے کیوں روٹھیں گے ۔۔۔۔"

"نہیں ایسا ہی ہوا ہے" ۔۔۔ وہ دونوں تیز بول بولے "اور ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا ہو گا ۔"

"یہ ٹھیک کہتے ہیں ۔۔۔" دھروا نے اپنی داڑھی ٹھوڑی کے ساتھ چپکانے کی کوشش کرتے ہوئے سر ہلایا "ہمیں کچھ کرنا چاہیے ، کتنے دن ہو گئے ہیں اسے دیکھتے ؟ گھٹنوں پر ٹھوڑیاں رکھے اسے آس سے دیکھتے"

"کیا ؟" ان سب کے مہاندرے گجرو اور چمرو کو دیکھتے تھے کہ دیکھیں یہ کیا کہتے ہیں ۔

"جب بچہ روٹھتا ہے تو ہم اسے کچھ کھانے کو دے کر اور گھُگھو گھوڑے دے کر مناتے ہیں اور جب گھر والی منہ پرے کرے تو اسے کنگن اور منکے دیتے ہیں اور ۔۔۔ اگر پانی روٹھ جائیں تو انہیں ۔۔۔ اب یہ ہمیں نہیں پتہ کہ پانیوں کو کیا چاہیے ۔۔۔"

"میں بتاتا ہوں" بھکشو اب ایک نئے زور سے آگے آیا "بڑے پانی آنے میں دیری ہونی تھی ۔ کتنے لوگ آتے ہیں ادھر لنگ پر پھول چڑھانے تیل ڈالنے اور آگ کی جگہ میں آگ جلانے ۔۔۔ تو ایسا کروگے تو یہی ہوگا ۔ بڑے پیپل کے تنے میں اب کوئی دیا جلا کر نہیں رکھتا ۔۔۔ رکھوں ۔ بوٹوں اور پانیوں میں بھی تو جان ہوتی ہے اور ہماری جان ہوتی ہے تو ہم ان کا دھیان کیوں نہیں کرتے ۔ تو یہی ہوگا ۔"

پاروشنی کی آواز دھیمی تھی پر اس کی آنکھیں سرخ ہوتی تھیں ۔ "لنگ پر پھول چڑھانے یا نہ چڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا"۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ کہ بڑے پانی ابھی تک کیوں نہیں آئے ۔۔۔ یہ ہمارا دوش ہے ۔ ہم برے ہیں مانا کے آگے سر نہیں جھکاتے ۔ اُن پوتر بیلوں کو چارہ بھیجتے ہیں تو بڑبڑا کر اور خوشی کے بغیر ۔۔۔ ہماری برائیوں کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے، ہاں میں تمہیں بتاتا ہوں ۔"

"بڑے پانی جانے کیوں نہیں آئے ۔ پر اس میں ہمارا کوئی دوش نہیں ۔۔۔ یہ صرف وہ پانی ہی جانتے ہیں کہ وہ کیوں نہیں آئے ۔" پاروشنی کی آواز مدھم تھی اور وہ یہ کہہ کر پرے ہو گئی ۔

"میں بتاتا ہوں" ۔ بھکشو نے سر ہلایا ۔ "مجھ سے پوچھو ۔ جو شے تمہیں سب سے بھلی لگتی ہے وہ گھاگھرا کو دے دو ۔۔۔ دے دو تو یہ مان جائے گا ۔۔۔ اور پانی آئیں گے ۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا ہوگا ۔ میں نے رات اس سے باتیں کی تھیں اسے سنا تھا ۔ تم بھی جانتے ہو کہ میں پانیوں کی زبان سمجھتا ہوں ۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے ایک کان دریا کی طرف کیا اور پھر تھوڑی دیر اپنے میں گم ہونے کے بعد بولا "ہاں پانی کہہ رہے ہیں کہ وہ تم سے روٹھے ہوئے ہیں"۔

صرف پاروشنی ۔ ورچن اور سمرو بیٹھے رہے باقی سب بکھر گئے، کوئی اپنے ڈیرے کو، کوئی کھیت کو، کوئی چھپر کی طرف ۔۔۔ وہاں سے کوئی ایسی شے لانے کو جو اس نے گھاگھرا کو منانے کے لئے اس میں ڈالنی تھی ۔ وہ اتنے جوشیلے ہو رہے تھے کہ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ اب رات ہے اور اندھیرا ہے ۔

"یہ کیا ہو رہا ہے ؟ سمرو بولا"۔

"یہ ان کی گھبراہٹ ہے ۔۔۔ یہ سہارا ڈھونڈھتے ہیں پر ان کو ایسا کرنے دو ان کا بوجھ ہلکا ہوگا"

کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی پونجی گھاگھرا کنارے آتے ساتھ لے کر آئے تھے انہوں نے جانے کیا کچھ پانی میں پھینکا ۔۔۔ رات تھی ، دکھائی نہ دیتا تھا کہ وہ کیا پھینک رہے ہیں ۔ تھوڑی دیر میں وہ واپس آنے لگے ۔۔۔ اور جو کچھ وہ لائے تھے اسے دریا میں رکھنے لگے ۔۔۔ وہ کیا لائے تھے صرف وہ جانتے تھے کہ رات تھی اور دکھائی نہ دیتا تھا کہ وہ کیا لائے ہیں ۔۔۔ وہ جو شے پانی میں ڈالتے وہ خاموشی سے بہنے لگتی یا ڈوب جاتی سوائے ایک شے کے جو رونے لگی ۔۔۔ اور پاروشنی جہاں تھی وہیں پتھر ہوئی "۔۔۔ ورچن وہ روتا ہے"۔۔۔

ورچن نے کان لگا کر سنا ۔۔۔ اور وہاں اب تو کچھ نہ تھا کیونکہ جو کچھ تھا ڈوب چکا تھا اور بہہ چکا تھا ۔۔۔ کچھ نہیں ہے ، ایسا نہیں ہے ۔

پاروشنی چپ رہی ۔

پر ادھر کنارے پر اب ایسا تھا جیسا کہ گرمیوں کی شام میں بستی میں ہوا کرتا تھا ۔ وہ ہنستے تھے اور باتیں کرتے تھے اور ان کے اندر جو گھبراہٹ تیرتی تھی وہ جا چکی تھی ۔ چولہوں میں اُپلے سلگنے لگے اور ان کا دھواں رات کی سیاہی میں بھی مدھم نظر آتا تھا ۔ ورچن اپنے گھٹنوں پر سر رکھے اس اندھیرے کو دیکھتا تھا جس میں گھاگھرا بہہ رہا تھا ۔۔۔

ہاں وہ جو سب ندیوں میں سے پیاری ندی ہے ۔ سات بہنوں والی ۔۔۔
سرسوتی ۔ تم پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہو ۔ ہمیں نفرت سے بچانا ۔
سات بہنیں جو تین جگہوں سے پھوٹی ہیں اور پانچ قبیلوں کو فائدہ دیتی ہیں اور بڑی ندیوں سے بھی بڑی سرسوتی ۔۔۔
اور ہماری دوستی اور جھکاؤ قبول کر ۔۔۔
ہمیں اپنے سے جدا کر کے ۔۔۔ دور دیسوں میں نہ بھیج دینا۔

ورچن نے آخری لفظوں کو دیر تک اپنے ہونٹوں تلے رکھا ۔ ہمیں اپنے سے جدا کر کے ۔۔۔ دور دیسوں میں نہ بھیج دینا ۔

پاروشنی کے چولہے میں بھی اپلے سلگتے تھے اور اس کی چنگیر روٹیوں سے بھرتی تھی ۔ سمرو اور ورچن سر جھکائے روٹی کی مہک میں تھے اور اسے کھاتے تھے ۔۔۔ گُنا آج بھی تھا اور نہ سروٹ سرسراتے تھے اور نہ ہی دریا کی کوئی بولی تھی ۔۔۔ ہر شے تھمی ہوئی تھی ۔

ایسی خاموشی تھی کہ پرالی پر لیٹے ہوئے جب پاسا پلٹتے تو چرمراہٹ دور تک جاتی ۔۔۔
پاروشنی کی آنکھیں کھلی تھیں ۔ وہ سر کے نیچے بازو رکھے ادھر دیکھتی تھی جدھر رات کے پچھلے پہر
میں دریا سیاہی میں ایک اور سیاہی تھا ۔

وہ اٹھی تو پرالی کی چرمراہٹ اس کے پاؤں تلے دب گئی ۔ کنارے پر لوگ نیند میں بے سدھ تھے ۔ وہ بے سدھ تھے کہ ہم تو جو کرنا تھا کر چکے اور اسے منا چکے تو اب بڑے پانی آرہے ہوں گے ۔۔۔ وہ انہیں پھلانگتی ان کے پھیلے ہوئے بازوؤں اور ٹانگوں سے بچتی سروٹوں کی طرف چلنے لگی ۔ تھوڑی دیر میں وہ سب پیچھے رہ گئے جو سوتے تھے ۔ اور ان میں ورچن اور سمرو بھی تھے ۔۔۔ سروٹ اور کاہی کا جھنڈ جو سدا سرسراتا رہتا تھا گم کھڑا تھا ۔ وہ اسی میں سہجے سے جھجکے بنا داخل ہو گئی کہ وہ اسے جانتی تھی ۔ وہ نرا چلتی تھی دیکھتی نہ تھی اور سیاہی جو تھی تو دکھائی نہ دیتا تھا ۔۔۔ جہاں اس کے پاؤں پڑتے ان کے آسے پاسے کچھ رینگ جاتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ یہ کچھوہیں جو اس کے پاؤں سے بچنے کو ادھر ادھر سرکتے ہیں ۔۔۔ سروٹوں کی تیز دھاریں اس کی باہوں پر سرخ لکیریں کھینچتی جاتی تھیں پر وہ ان کی کاٹ سے بے پرواہ چلتی جاتی تھی ۔ سروٹ ختم ہوئے تو آگے اونچا کنارہ تھا اور وہ جھک کر بے تکان اس پر چڑھنے لگی ۔ اوپر پہنچ کر وہ پل بھر کے لئے رکی صرف اس کی ناک اس نمی کو محسوس کرتی تھی جو اس کے سامنے تاریکی میں چھپی ہوئی تھی ۔ وہ اپنے پیر جماتی سنبھالتی دوسری طرف اترنے لگی ۔ اس کے تگے پاؤں تلے جب کنکریاں بچھیں تو یہ دریا کا راستہ تھا ۔۔۔

اس نے آسے پاسے دیکھے بغیر اپنے سینے پر بندھا لیڑا ڈھیلا کر کے کھول دیا ۔ لیڑے کی پکڑ سے چھوٹنے پر اس کی چھاتیاں پل دو پل کے لئے ایسے تھرتھرائیں جیسے چنکارے ہرن کی پیٹھ پر زہریلی مکھی بیٹھنے سے وہ ہلتی ہے پل دو پل کے لئے ۔۔۔ اور پھر وہ اپنے بوجھ کو سہار کر باقی بدن کا ایک خاموش حصہ بن گئیں ۔ دریا کی باس کو انہوں نے ایک ناک کی طرح سونگھا اور اپنے اندر رچایا ۔

پھر پاروشی نے اپنی لونگی کے لڑ کھولے ۔۔۔ وہ کسی ہوئی تھی ۔ اس کے کولہوں کے گرد اگرد ماس یوں دبا اور ابھرا ہوا تھا جیسے رات ان پر کوئی برساتی کیڑا چل گیا ہو ۔

وہ سیدھی کھڑی ہو گئی ۔۔۔ وہ اپنی نسل کا خاص قدبت لئے ہوئے تھی ۔
اس نے پانی میں پہلا قدم جھجکتے ہوئے رکھا اور پھر زمین کی مانند اس پر چلنے لگی ۔۔۔ دس بارہ کروں کے بعد پانی اتنا گہرا ہوا کہ وہ اس میں بیٹھ جائے تو گردن تک آجائے اور وہ اپنے آپ کو دھو سکے ۔ وہ بیٹھ گئی ۔۔۔ پر اس نے اپنے آپ کو دھویا نہیں ۔ وہ ایسا کرنے نہیں آئی تھی سننے آئی تھی ۔

اس نے اپنا کان بہتے پانی کے ساتھ لگایا تو وہاں اس کے چلنے کی سرسراہٹ تھی ۔۔۔ وہ اپنے پورے جسّے سے سننے لگی ۔۔۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور کان تربیائے ہوئے پکھیرو کی طرح ترسے جاتے تھے ۔۔۔ کچھ سننے کے لئے بہتی آہٹ کے لئے ۔۔۔ پر وہاں سوائے اس دھیمی سرسراہٹ کے جو پانی کے بہنے کی تھی اور کچھ نہ تھا ۔۔ دریا خاموش تھا ۔۔۔ بہت دیر ہو رہی تھی ۔۔۔ اب تک اس کے بولنے کی آواز آجانی چاہیے تھی ۔۔۔ جھاگ ہچکولے لیتی آنی چاہیے تھی ۔ بڑا پانی دیر سے آئے گا ۔۔۔ اتنی دیر سے کہ جانے وہ بیج جو مٹی میں ہیں اس کی نمی سے تب پھوٹتے ہیں کہ نہیں ۔ پانی سرد تھا اور جسّے کو کپکپاتا تھا ، بھلا لگتا تھا پر ٹھنڈا تھا ۔۔۔ اوپر آسمان خالی تھا اور نیچے دریا چپ بہتا تھا اور اس میں پاروشنی بیٹھی تھی ۔ اس کے پاؤں تلے کی ریت پانی چلنے سے دھیرے دھیرے کھسکتی تھی اور اسے کے تلووں میں جلون کرتی تھی ۔ اسے کچھ چُھوا ۔۔۔ کوئی شے اس کے جسّے کے ساتھ لپٹی اور کھلی اور پھر لپٹ کر اس کے ساتھ لگنے لگی ۔۔۔ وہ ڈری نہیں کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ ایسا ہو ۔ جس سمے وہ پانی میں آتی تھی وہ یہی تو چاہتی تھی ۔ اس کے اندر اس لپیٹ کی چاہت تھی ۔ تو وہ ڈری نہیں ۔ اس نے ہاتھ پانی میں ڈال کر اپنے جسّے کے گرد لپٹے بوٹے پر انگلیاں رکھیں ۔۔۔ یہ تم تھے جس کے لئے ہم سب کئی دنوں اور کئی راتوں سے چولہے چنگیریں لئے کنارے پر بسیرا کرتے تھے اور تم نے ایک عجیب خوف ہم میں بویا تھا کہ ایسا نہ ہو تم نہ آؤ ۔ سب کے اندر یہ خوف تھا پر کوئی کچھ کہتا نہ تھا ۔ سبھی یہ کہتے تھے کہ پانی آئے گا پر ہر ایک کا اندر کہتا تھا کہ نہیں شائد نہ آئیں اور باہر یہ کہتا کہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ نہ آئیں تو اس بار کیوں نہ آئیں اس لئے آئیں گے ۔۔۔ تو بس ہم تمہارے لئے تو دن رات اپنے گھٹنوں پر سر رکھے دریا کی ہموار زمین کو تکتے تھے کہ اس پر کوئی جھاگ تیرے یا کوئی پہاڑی بوٹا ابھرتا ڈوبتا آئے تو ہم جانیں کہ اس کے پیچھے بڑے پانی آتے ہیں ۔۔۔ سلما کا بوٹا ادھر ہوتا ہے جدھر گھاگرا پھوٹتا ہے اور تم سلما ہو ۔۔۔ پاروشنی نے اسے ایک جاندار کی طرح بڑے رکھ رکھاؤ سے پانی سے باہر نکالا ۔۔۔ ہاں یہ سلما تھا جو ایک لمبے سفر کے

بعد اس تک پہنچا تھا ۔۔۔ کتنے برس پہلے میں ادھر ایسے ہی آئی تھی ۔ پر تب میں نہانے کو آئی تھی ۔ اور ایک ٹہنی میرے ابھاروں کے گرد کسی لرزتے ہاتھ کی طرح لپٹی تھی اور میں نے جانا تھا کہ بڑے پانی آتے ہیں اور ادھر کنارے پر ماتی کی پتّروں کی گڈ دگڑ دگڑ کرتی دھول اڑاتی جاتی تھی اور میں یہاں سے نکل کر کدھر تھی ۔۔۔ ہاں بستی کو لوٹتے سمرو کے پاس رکی تھی اور اس نے پوچھا تھا کہ یہ تیرے ہاتھوں میں کیسی ٹہنی ہے اور میں نے جھوٹ بولا تھا کہ پنکلی کے لئے ہے کیونکہ بڑے پانی آنے کا پتہ چل جائے تو کسی کو بتاتے نہیں اور جب وہ آجائیں تب بتاتے ہیں کہ پہلے میں نے جانا تھا کہ یہ آتے ہیں ۔ اسے یاد آیا کہ وہ سمرو کے پاس بیٹھی تھی تو اس کا جُسّہ نچڑ رہا تھا اور وہ اس کے کولہوں کو دیکھتا تھا ۔ ہاں تب میں نہانے کو آئی تھی پر آج اس رات جب کنارے پر ایک اور بستی ہے جو سوتی ہے میں اٹھ کر ادھر جو آئی تو نہانے کے لئے نہیں بلکہ صرف جاننے کے لئے کہ پانی آرہے ہیں یا نہیں اور مجھے اس لپیٹ کا اور اس چھونے کا جو میرے بدن کو پھر سے بے چین کرتا ہے انتظار تھا اور اب ۔۔۔ میں انہیں بتادوں گی کہ وہ آرہے ہیں، چھپاؤں گی نہیں، وہ سب اتنے دنوں سے گھبراہٹ میں ہیں اور وہ اجیرن اور اجاڑ ہیں ۔

پاروشنی نے بوٹے کو سونگھا اور پھر اپنا دایاں کان پانی کے ساتھ لگا کر سانس روکا تاکہ وہ دریا کے بولنے کو سن سکے ۔۔۔ اس ہلکے شور کو سن سکے جو اب ادھر آنا تھا ۔۔۔ پر ابھی وہی سرسراہٹ تھی پانی کے کم بہنے کی اور کچھ نہ تھا ۔۔۔ پاروشنی نے کان لگائے رکھا اور اس دوران اس کا جُسّہ پانی کی سِیت سے ٹھنڈا ہونے لگا ۔۔ تھوڑی دیر بعد اسے لگا کہ اگر وہ پانی سے نہ نکلی تو اسے ضرور تاپ چڑھے گا اور وہ مرے گی پر اس نے اپنے آپ کو باندھے رکھا اور کان لگا کر بیٹھی رہی ۔۔۔ صرف وہی سرسراہٹ تھی پانی کے کم بولنے کی اور کچھ نہ تھا ۔

"می آؤں ۔ می آؤں" ۔۔۔ رکھوں میں سے مور کی بجھتی اور بوڑھی آواز آئی اور پاروشنی نے ٹھٹک کر سر اٹھالیا ۔۔۔ مور نے جان لیا تھا تو وہ کیوں نہ جان سکی ۔۔۔ وہ جاننا نہیں چاہتی تھی اس لئے ۔۔۔

وہ پانی میں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بوٹا ہاتھ میں پکڑے کنارے پر آگئی ۔ اپنے آپ کو لیڑوں میں کرنے کے بعد وہ سروٹوں میں ہوئی اور ان سے نکل کر جدھر کنارے پر لوگ سوتے تھے ادھر جانے کی بجائے بستی کی طرف چلنے لگی ۔۔۔ اس کی مہین آنکھوں میں پانی تیر رہے تھے اور اس کا جُسّہ ٹھٹھر رہا تھا ۔ بستی رات میں تھی اور چپ پڑی تھی ۔ کُتّے ادھر کنارے کی طرف جاکر چولہوں کے پاس لیٹ چکے تھے اور اب ادھر ایک غیر موجودگی تھی کہ یہاں تھے اور اب نہیں ہیں ۔۔۔